حرام کاروبار کے لئے

املاک کا اجارہ

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست حرام کاروبار کے لئے املاک کا اجارہ

حرام کاروبار کے لئے املاک کا اجارہ

سوال

بخدمت حضرت مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درج ذیل مسئلہ کے بارے میں شرع متین کا کیا حکم ہے کہ مساجد کے املاک کو بعض لوگ (جو ذمہ دار ہوتے ہیں) سودی کاروبار کے لیے کرایہ پر دیے ہوئے ہیں اور اس سے جو کرایہ وصول ہوتا ہے، وہ مصارف مسجد میں خرچ ہوتا ہے، مثلاً امام ومؤذن کی تنخواہ میں یا دیگر مصارف میں، شہر بنگلور میں دیکھا جارہا ہے کہ مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنے والے بینکوں کو کرایہ پر دی جارہی ہیں، جس میں شہر کی چھ یا سات مساجد شامل ہیں اور آئندہ بھی دوسری مساجد کا اس طرح کرنا قرین قیاس ہے۔ اور اس معاملہ کو دیکھ کر لوگ اپنی جائیداد بھی سودی کاروبار کے لیے کرایہ پر دے رہے ہیں، ان کے پاس یہ وجہ جواز ہے کہ مساجد کے ذمہ داروں نے ایسا کیا ہے اور مساجد کی املاک کو سودی کاروبار کے لیے دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ان سوالوں کا جواب مطلوب ہے کہ:

(ا) مساجد کی یا اپنی جائیداد کو سودی کاروبار کرنے والوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس معاملہ سے حاصل ہونے والا کرایہ حلال ہے یا حرام؟
(۳) اس کرایہ سے تنخواہ پانے والے امام کے پیچھے جب کہ اس کو اس کی اطلاع ہے، نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟
مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ فقط

حبیب اللہ خان
سکریٹری مسجد بیدا اہل سنت والجماعت،
محلّہ بیدواڑی، بنگلور

دارالافتاء مدرسہ مسیح العلوم بنگلور
۲۸ رجب ۱۴۱۲ھ

الجواب ومنہ الحق والصواب

سوال میں مذکورصورت چونکہ زیادہ عام ہوتی جارہی ہےاور ساتھ ہی اس میں بعض لوگوں کوفقہاء کی بعض عبارتوں سے کچھ غلط فہمی بھی پیدا ہوگئی ہے،اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سوال کا جواب ذرا وضاحت وتفصیل سے لکھوں،تا کہ ایک طرف شرعی وفقہی نقطۂ نظر سے مسئلہ کا جواب معلوم ہوجائے اور دوسری طرف جن لوگوں کواس سلسلہ میں غلط فہمی ہوئی ہے،ان کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوجائے ۔ واللہ الموفق والمعین ۔

حرام کاموں کی اعانت ناجائز ہے

یہ ظاہر ہےاور سب کومعلوم بھی ہے کہ اسلام میں سودی لین دین ،حرام اور سخت ممنوع ہے،اس میں کسی مسلمان کوشک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے،اوراسلام کا یہ اصول وقاعدہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کوحرام وممنوع ٹھہراتا ہے،تو اسی کے ساتھ ان چیزوں کوبھی ناجائز قرار دیتا ہے،جن سے اس حرام کام کوافراد یا معاشرے میں در آنے کا موقع ملتا ہو،اس کے لئے راستے ہموار ہوتے ہوں اوراس کوکسی بھی طور پر تقویت پہنچتی ہو،اسی وجہ سےحرام اور باطل کاموں پراعانت ومددکواسلام ناجائزقرار دیتاہے۔

قرآن وحدیث سے دلائل

چنانچہ قرآن وحدیث میں حرام وباطل کاموں پراعانت ومددکوصاف طور پر ناجائزقراردیا گیاہے۔پہلے چندنصوص ملاحظہ فرمایئے:

(۱) قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ:۲)

(ترجمہ: تم نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد واعانت کرو اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد واعانت نہ کرو)

(۲) حدیث میں ہے کہ: ﴿ان رسول اللّٰہ ﷺ قال لعنت الخمر بعینها وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة الیه وآکل ثمنها﴾(۱)

(ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت کی گئی ہے شراب پر، اس کے پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، نچڑوانے والے پر، اس کو اٹھا کر لیجانے والے پر، اور اس پر جس کے پاس وہ لیجائی گئی اور اس کی قیمت کھانے والے پر)

ان نصوصِ قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کے کام پر کسی کی امداد واعانت کرنا ناجائز اور موجبِ لعنت ہے۔

سودی کاروبار کے تعاون کی حرمت

اس کے علاوہ خاص طور پر سودی کاروبار کے تعاون کی حرمت بھی احادیث میں وارد ہوئی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ:

﴿عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللّٰہ ﷺ الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء﴾(۲)

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سود، سود کھانے والے،

---

(۱) ابن ماجہ: ۳۳۷۱، ابوداود: ۳۱۸۹ (۲) مسلم: ۲/۲۷

سود دینے والے، سودی حسابات لکھنے والے اور اس معاملہ پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں)

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صرف سود کھانے والے پر لعنت نہیں فرمائی ہے، بلکہ آپ نے سود دینے والے اور سودی حسابات لکھنے والے اور اس معاملہ پر گواہ بننے والے کو بھی ملعون قرار دیکر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ بھی سود کھانے والے کے برابر گنہگار ہیں، یہ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں سودی کاروبار کی امداد واعانت ہے جس سے یہ معاملہ ختم ہونے کے بجائے اور زیادہ وسعت اختیار کرے گا اور مضبوط ہو جائے گا، جو اسلام کے مقاصد کے سراسر خلاف ہے۔ الغرض اس سے معلوم ہوا کہ سودی کاروبار کی اعانت وامداد ناجائز اور سود کھانے کے برابر گناہ کا کام ہے۔

علامہ نوویؒ شارحِ مسلم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: فيه تحريم الاعانة على الباطل (کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باطل کاموں پر اعانت وامداد حرام ہے)(۱)

مسئلہ کی وضاحت

ان وضاحتوں اور تفصیلات کے بعد زیر بحث سوال پر غور کیجئے کہ سودی کاروبار کے لئے بینک کو یا کسی اور کو مکان کرایہ پر دینا کیا سودی کاروبار کی ترقی میں اعانت نہیں ہے؟ کیا اس سے سودخواروں کی سودخواری میں اضافہ نہ ہوگا؟ کیا اس سے لوگوں کا خون چوسنے میں ان کو آسانی فراہم نہ ہوگی؟

جب ان سب سوالوں کا جواب ''ہاں'' میں ہے، تو پھر کیا یہ حرام کام کی اعانت

(۱) شرح مسلم: ۲/۲۸

وامداد نہ ہوئی، جس سے اسلام نے سختی کے ساتھ روکا ہے اور اس کو بھی سودخواری کے برابر کا گناہ قرار دیا ہے۔ الغرض سودی کاروبار کے لئے بینک کو یا کسی اور کو مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، بلکہ گناہ کا کام ہے۔

حضراتِ فقہاء کے اقوال

چنانچہ حضرات فقہاء کرام میں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردان رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ، اور نیز امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور امام شافعی وغیرہ ائمہ نے کسی حرام کام کے لئے کرایہ پر مکان دینے کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ یہود ونصاری ومجوس کی عبادت گاہوں کے لئے یا شراب بیچنے کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ لکھا ہے کہ :وقالا لا ینبغی ذلك لانه اعانة علی المعصیة وبه قالت الثلاثة .(۱)

ترجمہ: صاحبین (امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ) نے فرمایا کہ یہ درست نہیں، کیونکہ یہ گناہ پر اعانت وامداد ہے اور یہی قول ہے، تینوں ائمہ (شافعیؒ، مالکؒ واحمدؒ) کا۔

امام شمس الائمہ سرخسیؒ ذمی (کافر) کو شراب بیچنے کے لئے مکان کرایہ پر دینے کے بارے میں لکھتے ہیں: لم یجز لانه معصیة فلا ینعقد العقد علیه ولا اجر له عندهما ۔(۲)

(ترجمہ: امام محمدؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ کا کام ہے، لہٰذا یہ معاملہ منعقد نہ ہوگا، اور نہ کرایہ ملے گا)

اسی طرح دیگر کتبِ فقہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ (۳)

(۱) درمختار مع شامی: ۳۹۲/۶ (۲) المبسوط للسرخسیؒ: ۳۷/۱۶ (۳) فتاوی عالمگیری: ۴۴۹/۴، بدائع الصنائع: ۱۹۰/۴، بحرالرائق: ۲۰۲/۸

امام ابواسحاق الشیرازی الشافعی نے المھذب میں لکھا ہے:

" ولا یجوز علی المنافع المحرمة لانه یحرم فلا یجوز اخذ العوض علیه کالمیتة والدم. (۱)

اس سے واضح ہوا کہ قرآن وحدیث کے نصوص کے مطابق حضراتِ فقہاء کرام نے بھی حرام کاروبار کے لئے کرایہ پر مکان دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔اور اس کو اعانت علی المعصیة میں شمار فرمایا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق

اوپر کی تفصیل وتوضیح سے اصل مسئلہ کا شرعی وفقہی نقطۂ نظر سے جواب واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے،البتہ یہاں یہ بات بھی صاف کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ بعض کتابوں میں امام صاحب کی طرف جواز کا قول منسوب کیا گیا ہے،جس سے بعض حضرات کو سخت دھوکہ ہوا ہے،حتی کہ بعض مفتیانِ کرام کو بھی اس جگہ مغالطہ لگا ہے،نیز بعض مخالفین نے اس سے امام اعظمؒ پر طعن وتشنیع کا جواز تلاش کرلیا ہے،لہٰذا ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق کی جائے۔

جواز کی روایت

یہ صحیح ہے کہ بعض فقہی کتابوں میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے حرام کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: جاز اجارة بیت بسواد الکوفة ای قراها لا بغیرها علی

(۱) المھذب: ۳۹۴/۱

الاصح ...... لیتخذها بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر، قال الشامیؒ : هذا عنده وعندهما مکروه.(۱)

(کوفہ کے قریو ں میں نہ کہ اس کے علاوہ میں، گھر کرایہ پر دینا تاکہ آتش کدہ یا مندر یا چرچ یا شراب خانہ بنائے جائز ہے اور شامی نے فرمایا کہ یہ امام اعظم کے نزدیک مسئلہ ہے اور ان دو حضرات امام ابو یوسف وامام محمد کے نزدیک مکروہ ہے)

اسی طرح ھدایہ میں ہے:من آجر بیتاً لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر بالسواد فلاباس به، وهذا عند ابی حنیفةؒ. (۲)

(ترجمہ: جو شخص اجرت پر مکان دے تاکہ اس میں آتش کدہ (مجوس کا عبادت خانہ) یا کنیسہ (یہود کا عبادت خانہ) یا بیعہ (عیسائی عبادت خانہ) یا شراب خانہ بنالیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے)

مگر اس میں دو بحثیں ہیں، ایک یہ کہ اس جگہ جائز ہونے کے کیا معنی ہیں؟ دوسرے یہ کہ اس جواز کی کوئی شرط بھی ہے یا بلا کسی قید وشرط کے یہ جائز ہے، ان دو بحثوں کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

جواز کے معنی کیا ہیں؟

پہلی بحث یہ کہ فقہاء کرام نے جو یہ لکھا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک حرام وناجائز کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے، اس میں جائز ہونے کے معنی کیا ہیں؟ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے کلام میں لفظِ جواز دو معنوں میں استعمال ہوا ہے، ایک حلال ومباح ہونے کے معنی میں، دوسرے کسی کام کے صحیح ومنعقد

(۱) درمختار مع شامی: ۳۹۲/۶ (۲) ہدایہ: ۴۵۶/۴

ہوجانے کے معنی میں،اس سے قطع نظر کہ اس کام سے گناہ ہوگا یا نہیں ،فقہاء کے کلام میں لفظِ جواز پہلے معنی کی طرح دوسرے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوا ہے۔

مثلاً فقہاء نے لکھا ہے:

(۱)" فان ابدل التکبیر باللّٰہ اجل او الرحمان جاز (کہ اگر تکبیر تحریمہ کے وقت (اللہ اکبر) کے بجائے کوئی (اللہ اجل) یا (اللہ الرحمٰن)وغیرہ الفاظ استعمال کرے تو اس کی نماز جائز ہے۔(۱)

حالانکہ خود فقہاء نے لکھا ہے کہ: وصح شروعه ايضا مع كراهة التحريم بتسبيح و تهليل.(۲)

(کہ سبحان الله اور لا اله الا اللّٰہ کہکر نماز شروع کرنے سے نماز کا شروع کرنا کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوگا)

معلوم ہوا کہ فقہاء نے خود اس کو مکروہ بھی قرار دیا ہے۔

(۲) اسی طرح خطیب جمعہ کا خطبہ بغیر وضوء کے دیدے تو فقہاء نے اس کو جائز بھی قرار دیا ہے اور مکروہ بھی بتایا ہے، چنانچہ امام قدوریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: یکرہ و جاز (کہ خطبہ جائز ہوجائے گا اور مکروہ ہوگا)(۳)

اور شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ :جاز و یاثم(کہ یہ خطبہ جائز ہوجائے گا اور خطیب گنہگار بھی ہوگا)(۴)

اس جگہ غور طلب بات یہ ہے کہ فقہاء نے ایک کام کو جائز بھی بتایا اور مکروہ و ناجائز بھی، یہ کیوں اور کیسے؟ بات وہی ہے جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ فقہاء کے کلام

---

(۱) شرح وقایہ مع حاشیہ چلپی:۳۸ (۲) درمختار مع شامی:۴۸۳/۱

(۳) مختصر القدوری:۳۶ (۴) شامی علی الدر:۱۵۰/۲

میں جواز کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ کام منعقد ہوگیا، اور ذمہ سے ساقط ہوگیا، اس سے قطعِ نظر کہ یہ کام حلال ومباح تھا یا ناجائز وحرام۔

مزید تقویت کے لئے حوالہ بھی لیجئے، علامہ بدرالدین العینیؒ نے ''البنایۃ شرح الھدایۃ'' میں لکھا ہے کہ: ولفظة "يجوز" تارةً تطلق على معنى يحل وتارةً تستعمل بمعنى يصح وتارةً تصلح لهما۔ (کہ یجوز کا اطلاق کبھی حلال ہونے کے معنی میں اور کبھی اس کا استعمال کام کے صحیح ہو جانے کے معنے میں ہوتا ہے اور کبھی ان دونوں معنے کے لئے درست ہوتا ہے) (۱)

علامہ نووی المجموع میں فرماتے ہیں: ولفظة "يجوز" تارةً يستعملونها بمعنى يحل وتارةً بمعنى يصح وتارةً تصلح للامرين. (۲)

علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

" يجوز قد يقال بمعنے يصح وقد يقال بمعنى يحل ، كذا فى شرح المهذب للنووى، ولذلك تراهم يطلقون على الصلوة المكروهة ونحوها "جاز ذلك او صح ذلك" ويريدون به نفس الصحة المقابل للبطلان من غير القصد الى الاباحة او نفى الكراهة ، ولهذا فسر الشراح والمحشون كثيراً قولهم " جاز و صح" بقولهم: اى مع الكراهة،كما لا يخفى على وسيع النظر، وقال فى حلية المحلى شرح منية المصلى :انه اى الجواز قد يطلق ويراد به ما لا يمتنع به شرعاً، وهو يشمل المباح والمكروه والمندوب والواجب ـ وفى العقد الفريد لبيان الراجح من جواز التقليد للشرنبلالى عند البحث عن بعض عبارات منية المفتى:او نقول يجوز

(۱) البنایۃ: ۲۰۵/۱ (۲) المجموع: ۱۱۹/۱

بمعنے یحل، فانه لا یلزم من النفاذ الحل فان الحکم علی الغائب نافذ عند شمس الائمة و غیره کما ذکره العمادی، وشهادة الفاسق یصح الحکم بها وان لم یحل. فاحفظ هذا فقد زل قدم کثیر من الناس لعدم علمهم بهذا"۔ (۱)

جب یہ واضح ہوگیا کہ فقہاء کے کلام میں جائز ہونے کے معنی صرف یہ نہیں ہوتے کہ کام حلال ومباح ہے، بلکہ معاملہ کے طے ومنعقد ہوجانے کے بھی آتے ہیں، تو اب زیر بحث مسئلہ میں امام اعظمؒ کی طرف جو جواز کا قول منسوب کیا گیا ہے، اس میں غور کرنا ہے کہ یہاں کونسے معنی مراد ہیں؟

زیر بحث مسئلہ میں فقہاء کا کلام اگرچہ دونوں معنی کو محتمل ہے، مگر بعض عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جواز کے معنی حلال ہونے کے نہیں بلکہ صحیح ومنعقد ہوجانے کے ہیں۔ چنانچہ امام سرخسیؒ کی مبسوط (جس کے بارے میں علامہ طرطوسیؒ نے فرمایا کہ اسی کے مطابق فتوی دیا جائے گا اور اس کے خلاف پر عمل نہ ہوگا) (۲)

اس میں ہے : اذا استاجر الذمی من المسلم بیتاً لیبیع فیه الخمر لم یجز فلا ینعقد العقد علیه ولا اجر له عند هما وعند ابی حنیفةؒ یجوز. (۳)

(ترجمہ: اگر مسلمان سے ذمی (کافر) نے شراب بیچنے کے لئے گھر کرایہ پر لیا تو امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ ہے، پس اس پر معاملہ منعقد نہ ہوگا، اور نہ کرایہ ملے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے)

اس میں امام سرخسیؒ نے امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے

(۱) مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ: ۱۵ (۲) رسم المفتی، رسائل ابن عابدین: ۲۰/۱
(۳) مبسوط: ۳۸/۱٦

فرمایا کہ یہ معاملہ منعقد نہ ہوگا، اس کے بالمقابل امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کے نزدیک جائز ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جواز کے معنی منعقد ہوجانے کے ہیں، نہ کہ حلال ومباح ہونے کے۔

پھراس سے زیادہ واضح الفاظ میں امام اعظمؒ کا مسلک ''خلاصۃ الفتاوی'' میں نقل کیا گیا ہے کہ ایسے غیر شرعی کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینا امام اعظمؒ کے نزدیک (یصح ویاثم) کہ صحیح ہوجاتا ہے اور دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

نیز حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی یہاں جواز کا یہی مطلب بیان کیا ہے، چنانچہ اپنے رسالہ "تفصیل الکلام فی مسئلة الاعانة علی الحرام"میں فرماتے ھیں : ومن اطلق علیه الجواز فیحمل علی جواز العقد بمعنی الصحة دون رفع الاثم کما ھو معھود عند فقھا ئنا فی مواضع لا تحصی . (۱)

(ترجمہ: جن حضرات نے اس مسئلہ میں لفظِ جواز استعمال کیا ہے، اس کو عقد ومعاملہ کے صحیح ومنعقد ہونے کے معنی پر محمول کیا جائے گا نہ کہ گناہ نہ ہونے کے معنی پر، جیسا کہ بے شمار جگہوں پر فقہاء کی عادت معلوم ہے)

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس جگہ جواز کو''معاملہ کے صحیح ومنعقد ہونے'' کے معنی میں لینا درست قرار دیا ہے۔ (۲)

الغرض امام اعظمؒ نے اس معاملہ کو جائز اس معنی میں فرمایا ہے کہ یہ معاملہ طے ومنعقد ہوجاتا ہے، اس سے قطع نظر کہ اس سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں، پھر خلاصۃ الفتاوی کے مطابق یہ بھی واضح ہوگیا کہ ایسا معاملہ کرنے والا گنہگار بھی ہوتا ہے، لہٰذا زیرِ بحث سوال کا جواب اس کے مطابق یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سودی کاروبار یا کسی

(۱) جواہر الفقہ :۲/۴۴۵ (۲) اعلاء السنن :۱۴/۴۶۷

اورحرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینے سے یہ معاملہ طے ومنعقد تو ہوجاتا ہے مگر یہ دینے والا گنہگار بھی ہوتا ہے۔

جواز کے حدود وشرائط

دوسری بحث یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر مسئلہ زیرِ بحث میں جواز کے معنی حلال ومباح ہونے کے لئے جائیں، تو کیا یہ بلا کسی قید وشرط کے جائز ہے یا اس میں کوئی قید وشرط بھی ہے؟ کیونکہ بسااوقات ایک مسئلہ ایک جگہ پر بلا کسی قید وشرط کے مذکور ہوتا ہے جبکہ دوسرے مواقع پر اس کی قیدیں وشرطیں بیان کی جاتی ہیں۔اور یہ مسلم ہے کہ جب ائمہ کرام کسی قول ومسئلہ کی کوئی قید وشرط دوسرے موقع پر ذکر کریں تو اس کو واجبی طور پر معتبر ماننا چاہیئے ،جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ ''تنبیہ الغافل والوسنان'' میں تصریح کی ہے۔(۱)

اب ہم جب اس مسئلہ پرغور کرتے ہوئے اسکی تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں،تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینے یا کسی بھی طور پر باطل کی اعانت وامداد کرنے کا جواز بہت سی شرطوں سے مشروط ہے،ان شرطوں سے قطع نظر کر کے صرف یہ مسئلہ لے لینا کہ ''امام اعظمؒ کے نزدیک حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے'' درست نہ ہوگا اور یہ لاعلمی کا ثبوت ہوگا۔

پھر جب ان شرائط پر ہمارے زیرِ بحث مسئلہ کو منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں شرطیں نہیں پائی جاتیں ، جب وہ شرطیں ہمارے زیر بحث مسئلہ میں نہیں پائی جارہی ہیں،تو پھر ان شرائط سے جو جواز مشروط تھا،وہ بھی اس

(۱) رسائل ابن عابدین:۱/۲۳۵

میں نہ ہوگا اور یہ صورت ناجائز ومکروہ قرار دی جائیگی، چنانچہ ہم ان شرطوں کو پیش کر کے بتاتے ہیں کہ ان میں سے بعض شرطیں صورتِ مسئولہ میں پائی نہیں جاتی ہیں۔

جواز کی پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ سودی کاروبار یا کسی اور حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینے والا، اس نیت سے نہ دے کہ غیر شرعی وحرام کاروبار اس میں کیا جائے، اگر اس نیت سے دیگا تو امام صاحبؒ کے نزدیک بھی یہ جائز نہ ہوگا، چنانچہ شمس الائمہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"ولا باس بان یواجر المسلم داراً من الذمی لیسکنها، فان شرب فیها الخمر أوعبد فیها الصلیب أو أدخل فیها الخنازیر لم یلحق المسلم إثم فی شیء من ذلك ، لأنه لم یواجرها لذلك ، و المعصیة في فعل المستاجر وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم علی رب الدار فی ذلك . (۱)

(ترجمہ: اس میں کوئی گناہ نہیں کہ مسلمان ذمی (کافر) کو رہنے کے لئے مکان کرایہ پر دے، پھر اگر وہ (ذمی کافر) اس میں شراب پیئے یا صلیب پوجے یا خنزیر کو داخل کرے تو اس مسلمان (کرایہ پر دینے والے) کو کوئی گناہ نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ ان کاموں کیلئے کرایہ پر مکان نہیں دیا تھا اور گناہ کرایہ پر لینے والے کے عمل میں ہے، اوراس کے عمل کا گھر والے کے ارادے میں کوئی دخل نہیں، لہٰذا اس پر گناہ نہیں)

اس میں وضاحت ہے کہ کرایہ پر دینے والا، ان گناہوں کے کرنے کے لئے مکان نہیں دیا تو اس کو کرایہ پر دینے کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا، اسی سے یہ بھی معلوم

---

(۱) المبسوط للسرخسی :۳۹/۱۶

ہوا کہ اگر گناہ کرنے کے لئے دیگا تو یہ جائز نہ ہوگا اور دینے والا گنہگار ہوگا۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے: ان بیع العصیر ممن یتخذہ خمراً ان قصد بہ التجارۃ فلا یحرم، وان قصد بہ لاجل التخمیر حرم۔ (۱)

(ترجمہ: رس (انگور وغیرہ کا) اس شخص کے ہاتھ بیچنا جو اس سے شراب بناتا ہے، اگر تجارت کی نیت سے ہو تو حرام نہیں ہے، اور اس ارادے سے ہو کہ اس سے شراب بنائے تو حرام ہے)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرام کام کی مدد و اعانت کی نیت سے کسی کو انگور وغیرہ کا رس بیچنا بھی جائز نہیں، اس میں اگر چہ بیچنا مذکور ہے، مگر چونکہ یہ بھی اعانت علی الحرام ہی کا مسئلہ ہے، اس لئے ہمارے نزدیک زیر بحث کرایہ کے مسئلہ کی یہ نظیر ہے، بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ حرام کام کی اعانت کی نیت سے مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

تنبیہ

ان عبارتوں میں چونکہ اختلاف ذکر نہیں کیا گیا ہے، اس لئے یہ امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے، اس لئے یہ مسئلہ اتفاقی ہے، جیسا کہ (نتائج الافکار تکملۂ فتح القدیر مع العنایہ: ۶۰/۱۰) سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر حمویؒ نے حاشیہ اشباہ میں یہ تصریح بھی کردی ہے کہ یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ (۲)

جواز کی دوسری شرط

جواز کی دوسری شرط یہ ہے کہ کرایہ پر دینے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ مکان کرایہ

(۱) الاشباہ مع الحموی: ۵۳/۱ (۲) الحموی مع الاشباہ: ۵۳/۱

پر لینے والا، اس میں حرام کاروبار کریگا، لہٰذا اگر یہ معلوم ہوتو کرایہ پر مکان دینا جائز نہ ہوگا۔ درمختار باب البغاۃ میں ہے: ویکرہ تحریما بیع السلاح من اھل الفتنۃ ان علم لانہ اعانۃ علی المعصیۃ، وبیع ما یتخذ منہ کالحدید ونحوہ یکرہ لاھل الحرب لا اھل البغی لعدم تفرغھم لعملہ سلاحاً۔ (۱)

(ترجمہ: فتنہ وروں کو ہتھیار بیچنا مکروہ تحریمی ہے، اگر اس کا علم ہو؛ کیونکہ یہ گناہ پر مدد ہے، اور لوہا وغیرہ جن سے ہتھیار بنائے جاتے ہیں، ان کا بیچنا دار الحرب کے کافروں کو مکروہ ہے، نہ کہ باغیوں کو، کیونکہ باغیوں کو اس سے ہتھیار بنانے کی فرصت وگنجائش نہیں ملتی)

اس سے معلوم ہوا کہ فتنہ وروں کو ہتھیار بیچنا مکروہ تحریمی ہے اور لوہا وغیرہ جن سے ہتھیار بنائے جاتے ہیں، وہ بھی ان لوگوں کو بیچنا ناجائز ومکروہ ہے، جو اس سے ہتھیار بنا کر غلط وناجائز کام میں استعمال کرتے ہیں، جیسے اہل حرب (کافر)، اور یہ جو فرمایا گیا کہ باغیوں کو لوہا وغیرہ بیچنا مکروہ نہیں، یہ اس لئے کہ ان کو اسلامی حکومت کے تحت رہنے کی وجہ سے یہ گنجائش نہ ملے گی کہ ہتھیار بنا کر غلط استعمال کریں، جیسا کہ درمختار کی اس عبارت میں تصریح ہے، لیکن اگر وہ بھی اس قابل ہوں کہ ہتھیار بنا کر غلط استعمال کریں تو ان کو بھی بیچنا مکروہ ہی ہوگا جیسا کہ تعلیل سے ظاہر ہے۔

الغرض اس سے اتنا معلوم ہوا کہ یہ علم ہونے کے بعد کہ فلاں شخص یہ چیز غلط وغیر شرعی کام میں استعمال کرے گا، اس کے ہاتھوں وہ چیز بیچنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ وہ چیز بنی بنائی ہو، جیسے ہتھیار یا بنی ہوئی نہ ہو، جیسے لوہا، اس سے معلوم ہوا کہ اعانت علی الحرام اس وقت گناہ نہیں جبکہ علم نہ ہو، اور اگر علم ہوتو یہ ناجائز اور گناہ کی بات ہے۔

---

(۱) درمختار: ۲۶۸/۴

ایک شبہ کا جواب

یہاں ایک شبہ کا جواب دینا ضروری ہے، وہ یہ کہ ''درمختار'' میں ہے: جاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انه یتخذه خمراً۔ کہ علم ہونے کے باوجود ایسے شخص کو انگور کا شیرہ بیچنا جائز ہے، جو اس سے شراب بناتا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ علم ہونے کے باوجود اعانت علی الحرام جائز ہے، جبکہ اوپر کی عبارت سے اس کا عدمِ جواز ثابت ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل امام اعظمؒ سے علم ہونے کے باوجود اعانت علی الحرام کے بارے میں دو قول منقول ہیں: ایک وہ جو شبہ میں نقل کیا گیا ہے، دوسرے وہ جو خود درمختار ہی میں اسی کے بعد منقول ہے کہ علم ہونے کے باوجود ایسے شخص کے ہاتھ رس بیچنا مکروہ ہے جو شراب بناتا ہے۔ اوران دونوں اقوال میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے، بلکہ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ پہلے قول میں جواز کے معنی وہ ہیں، جو اوپر تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں کہ معاملہ طے ومنعقد ہو جائے گا، اور دوسرے قول میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ ایسا معاملہ کرنے والا گنہگار ہوگا۔ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ان دو قولوں میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔(۲)

الغرض مکان کرایہ پر دینا اس وقت جائز ہے، جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ کرایہ دار اس میں غلط کام کرے گا، اگر معلوم ہو تو اس کی اجازت امام اعظمؒ کے نزدیک بھی نہیں ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے:

"واجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر او يتخذها كنيسةً او بيت نار وامثالها فكله مكروه تحريماً بشرط ان يعلم به البائع والآجر من دون تصريح باللسان، فانه ان لم يعلم كان معذوراً وان علم وصرح كا ن

(۱) درمختار مع الشامی: ۳۹۱/۶ (۲) اعلاء السنن: ۲۱۳/۱۶

داخلا فی الاعانة المحرمة.(۱)

(اور گھر اس شخص کو کرایہ پر دینا جو اس میں شراب بیچے گا یا اس کو چرچ یا آتش کدہ بنائیگا، یہ سب مکروہِ تحریمی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیچنے یا کرایہ پر دینے والا اس بات کو جانتا ہو، بغیر زبان سے بیان کئے؛ کیونکہ اگر علم نہ ہو تو وہ معذور ہے اور اگر علم ہو گیا یا بیان کر دیا تو یہ اس اعانت میں داخل ہے جو حرام ہے)

معلوم ہوا کہ حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا جبکہ کرایہ پر دینے والے کو علم ہے کہ یہ غلط کام میں استعمال میں لایا جائے گا، جائز نہیں۔

اب ہمارے زیرِ بحث مسئلہ پر غور کیجئے کہ کیا ان کرایہ پر دینے والوں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ سودی کاروبار کے لئے استعمال میں لایا جائے گا؟ ضرور علم ہوتا ہے بلکہ معاملہ کرتے وقت تصریح کیجاتی ہے کہ یہ دکان سودی کاروبار کے لئے استعمال کی جائیگی اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر معاملہ کرتے وقت اس بات کی تصریح کر دی گئی تو بھی یہ معاملہ ناجائز ہے۔(۲)

اور تکملۂ بحر میں یہ مسئلہ صاف لکھا ہے کہ شراب اٹھا کر لیجانے کے لئے مسلمان کو مزدوری دی گئی اور مزدوری پر لینے والے نے بیان نہ کیا کہ میں یہ شراب پینے لیجا رہا ہوں، تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے۔(۳)

الغرض جب معاملہ کرتے وقت تصریح ہوگئی اور کرایہ پر دینے والے کو اس کا علم ہو گیا تو امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق بھی اس معاملہ کی اجازت نہ ہوگی،

(۱) تفصیل الکلام مندرجہ جواہر الفقہ: ۲/۴۴۷

(۲) احکام القرآن مفتی شفیع صاحبؒ: ۳/۷۷، جواہر الفقہ: ۲/۴۴۱

(۳) تکملۂ بحر: ۸/۲۰

کیونکہ اس معاملہ کی اجازت اس وقت ہے جبکہ علم نہ ہواور اس کی تصریح نہ کی گئی ہو، جب یہ شرط نہ پائی گئی تو جواز بھی نہ ہوگا۔

جواز کی تیسری شرط

اس معاملہ کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ کافر سے ہو، مسلمان کو سودی کاروبار یا کسی حرام کام کے لئے مکان دکان کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

چنانچہ ''الاشباہ والنظائر'' میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ شراب بنانے والے کو انگور کا شیرہ بیچنا جائز ہے، جبکہ تجارت کی نیت ہو، اسکے تحت الحموی نے لکھا ہے: فسر فی مشکلات القدوری من یتخذه خمراً بالمجوس لا المسلم، اما بیعه من المسلم، فیکره .... ففیه اعانة علی الفسق والمعصیة .(۱)

(مشکلات القدوری میں شراب بنانے والے سے مجوسی (کافر) مراد لیا گیا ہے، نہ کہ مسلمان، لہٰذا مسلمان کو رس بیچنا جبکہ وہ اس سے شراب بنائے مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ گناہ اور معصیت پر اس کی اعانت ہے)

اسی طرح ''درمختار'' میں ہے کہ: ونقل المصنف عن السراج والمشکلات: ان قوله "ممن" ای من کافر، اما بیعه من مسلم فیکره، ومثله فی الجوهرة والباقلانی وغیرهما، و نقل القهستانی معزیاً للخانیة انه یکره بالاتفاق.(۲)

(مصنف ''المنار'' نے سراج ومشکلات سے نقل کیا ہے کہ اس شخص سے مراد کافر ہے، رہا مسلمان کو بیچنا تو یہ مکروہ ہے، جوھرہ و باقانی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے، اور قہستانی نے خانیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمان سے یہ معاملہ بالاتفاق مکروہ ہے)

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۵۳ (۲) درمختار: ۳۹۱/۶

اب یہ معاملہ کرنے والے غور کرلیں کہ وہ اپنے مکانات سودی کاروبار کے لئے کہیں مسلمانوں کو تو نہیں دے رہے ہیں؟ اگر ان سے معاملہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی یہ جائز نہ ہوگا۔

جواز کی چوتھی شرط

ایک شرط یہ ہے کہ سودی کاروبار یا کسی اور حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا وہاں جائز ہے، جہاں اسلامی شعائر واعلام غالب وظاہر نہ ہوں، بلکہ اعلام وشعائرِ کفر غالب ہوں، یہی وجہ ہے کہ جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے، وہیں بعض کتابوں میں تصریح ہے کہ یہ مسئلہ صرف سوادِ کوفہ (کوفہ کے گاؤں) کے لئے ہے۔ (دیکھو در مختار کی عبارت جو شروع رسالہ میں نقل کی گئی ہے) اور جن حضرات نے ہر گاؤں میں اس کی اجازت دی ہے، ان پر بڑے بڑے ائمہ نے رد کیا ہے، چنانچہ صاحبِ ھدایہ اور علامہ ابوالقاسم الصفار نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: یہ جواز صرف کوفہ کے گاؤں میں ہے، دوسری جگہ یہ اجازت نہیں ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کوفہ کے گاؤں میں اجازت کیوں ہے اور دوسری جگہ منع کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوفہ کے گاؤں اور قریوں میں اس وقت صرف کفار اور یہود وروافض رہتے تھے، وہاں اسلامی شعائر غالب نہ تھے۔ اس لئے وہاں اس کی اجازت دیدی گئی تھی کہ وہاں یہ کافر ان غیر شرعی کاموں کے لئے مسلمانوں کی دکانوں اور ان کے مکانات کرایہ پر لیں تو جائز ہے، مگر دوسرے وہ علاقے جہاں اسلامی شعائر غالب ہیں وہاں اسکی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: کان ابوالقاسم الصفار یقول ھذا

الجواب فی سوادالکوفة فان عامة من یسکنها من الیهود والروافض لعنهم الله ، فاما فی دیارنا یمنعون من احداث ذلك فی السواد کما یمنعو ن فی المصر لان عامة من یسکن القری فی دیارنا مسلمون وفیها الجماعة والدرس ومجلس الوعظ کما فی الامصار ۔(۱)

(ابوالقاسم الصفارؒفرماتے تھے کہ یہ جواب (جواز کا) کوفہ کے گاؤں میں ہے؛ کیونکہ وہاں کے اکثر رہنے والے یہودوروافض ہیں،لیکن ہمارے علاقوں میں گاؤں میں بھی اس سے منع کیا جائے گا؛ کیونکہ ہمارے علاقوں میں ،گاؤں میں بھی زیادہ تر مسلمان ہیں اور جماعت اور درس اور مجلس وعظ بھی ہوتی ہے جیسا کہ شہروں میں یہ سب ہوتے ہیں)

صاحبِ ھدایہ نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: وانما قیده بالسواد لانهم لا یمکنون من اتخاذ البِیَع والکنائس؛ واظهار بیع الخمور والخنازیر فی الامصار لظهور شعائر الاسلام فیها بخلاف السواد۔ قالوا هذا کان فی سواد الکوفة لان غالب اهلها اهل الذمة، فاما فی سوادنا فاعلام الاسلام فیها ظاهرة فلا یمکنون فیها ایضاً وهو الاصح .(۲)

اسی طرح تکملئہ بحرالرائق اورشرح وقایہ وغیرہ میں بھی ہے۔(۳)

ان سب سے ایک بات تو یہ مفہوم ہوئی کہ یہ جواز صرف کوفہ کے گاؤں میں ہے ، اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں خواہ وہ شہر ہوں یا قریے وگاؤں ، اس کی اجازت نہیں کہ حرام کاروبار کے لیے مکان کرایہ پر دیا جائے ،دوسری بات یہ معلوم

(۱)المبسو ط : ۱۳۴/۱۵(۲) الھدایۃ:۴۵۲/۴ (۳)بحرالرائق:۲۰۲/۸ - ۲۰۳،شرح وقایہ: ۳۴۳

ہوئی کہ کوفہ کے گاؤں میں جائز اس لئے ہے کہ وہاں اسلامی شعائر غالب وظاہر نہیں ہیں، لہٰذا اس سے یہ بات مفہوم ہوئی کہ جہاں اسلامی شعائر غالب وظاہر ہوں، وہاں حرام کام کے لئے امام اعظمؒ کے نزدیک بھی مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں۔

اب غور اس پر کرنا ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہر اور اسی طرح بے شمار گاؤں اور قریے، مسلمانوں سے بھر پور ہیں اور ان میں اسلامی شعائر بھی غالب وظاہر ہیں؛ کیونکہ شعائر سے مراد اذان، جماعت، جمعہ وعیدین وغیرہ ہیں، کون انکار کرسکتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے یہ شعائر یہاں غالب وظاہر ہیں؟ جب یہ بات صاف ہے کہ یہاں اسلامی شعائر غالب وظاہر ہیں تو فقہاءِ کرام کی تصریح کے مطابق ان علاقوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک بھی حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ (سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند) نے ''نظام الفتاوی'' میں جو یہ فرمایا کہ ہندوستان کا حال سوادِ کوفہ سے کچھ بہتر نہیں ہے اور اسی پر آپ نے صورتِ زیرِ بحث میں جواز کا فتوی دیا ہے، کم از کم میں تو اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہندوستان اس زمانے کے کوفہ کے گاؤں کے برابر کیونکر ہو گیا، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لئے ان میں سے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ (واللہ اعلم)

خلاصۂ تحقیق

امام اعظمؒ کے مسلک کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو آپ کے نزدیک جو حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینے کو جائز لکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ معاملہ منعقد ہوجائے گا لیکن اس سے وہ گنہگار بھی ہوگا۔ پھر یہ جواز بھی چند شرطوں سے مشروط ہے:

(۱) اعانت علی الحرام کی نیت نہ ہو۔

(۲) مالکِ مکان کو یہ معلوم نہ ہو کہ کرایہ دار مکان کو غلط وغیر شرعی کاموں میں استعمال کرے گا۔

(۳) یہ معاملہ صرف کافروں سے جائز ہے، مسلمانوں سے نہیں۔

(۴) یہ صرف وہاں جائز ہے جہاں اسلامی شعائر غالب وظاہر نہ ہوں۔

ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔ پھر جائز ہونے کے پہلے معنی یعنی طے ہوجانے کے لئے جائیں، تو اگر شرط نہ پائی جائے تو یہ معاملہ ہی طے نہ ہوگا اور اگر جواز کے معنی حلال ہونے کے ہوں، تو شرط نہ پائی جانے کی صورت پر یہ معاملہ حلال ومباح نہ ہوگا۔

اور اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ زیرِ بحث صورت میں ایک تو یہ شرط نہیں پائی جاتی کہ کرایہ پر دینے والے کو علم نہ ہو؛ کیونکہ دینے والوں کو علم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ شرط نہیں پائی جاتی کہ یہ معاملہ وہاں ہو، جہاں اسلامی شعائر غالب وظاہر نہ ہوں؛ کیونکہ بنگلور اور ایسے ہی بڑے بڑے ہندوستانی شہر اور اسی طرح بے شمار قریے روزانہ اذان کی آواز سے گونجتے اور جمعہ اور عیدین کی دھوم سے اپنی دھاک جمائے، محفوظ وسالم موجود ہیں۔ (اللہ نظرِ بد سے بچائے)

پھر باقی دو شرطیں ممکن ہے کہ بعض جگہ وہ بھی نہ پائی جائیں، اگرچہ ہر صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شرطیں نہیں پائی جارہی ہیں، مگر چونکہ ایک شرط بھی فوت ہوجانے پر یہ معاملہ جائز نہیں رہتا، اس لئے جب دو شرطیں قطعی طور پر نہیں پائی جارہی ہیں، تو خود امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق یہ معاملہ جس کا سوال میں ذکر ہے، ناجائز ہوا۔

لفظِ مکروہ کے معنی

اوپر کی بعض عبارتوں میں جو لفظ مکروہ استعمال ہوا ہے، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے کہ یہ کوئی زیادہ بُری اور گناہ کی بات نہیں ہے؛ کیونکہ مکروہ بھی حرام یا حرام کے قریب کی چیز ہے اور اس کے ارتکاب سے گناہ بھی ہوتا ہے، بلکہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ (۱)

اور علامہ ابن القیمؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: حرام چیز پر لفظِ مکروہ کے بولنے سے متاخرین میں سے بہت سے لوگ غلطی میں پڑ گئے، ائمہ نے احتیاط کرتے ہوئے لفظِ حرام کے بجائے لفظِ مکروہ استعمال فرمایا تھا، پھر ان کے بعد والوں نے ان چیزوں سے حرمت کی نفی کر دی جن پر ائمہ نے لفظِ مکروہ استعمال کیا تھا، پھر ان پر مکروہ کا لفظ بڑا آسان ہو گیا۔ (۲)

الغرض لفظِ مکروہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ کوئی ہلکی و آسان بات ہے، خصوصاً جبکہ اس مسئلہ میں علماء نے بعض جگہ لفظِ حرام اور ناجائز بھی استعمال کیا ہے۔

اصل سوالات کا جواب

اب ہم اس سوالنامہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس تحریر کا باعث ومحرک ہے، اور بالترتیب ہر سوال کا جواب لکھتے ہیں۔

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ سودی کاروبار کے لئے مسجد کی املاک کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ یہ معاملہ امام مالک، امام

(۱) کفایۃ المفتی:۹/۱۳۱ (۲) اعلام الموقعین:۱/۳۹-۴۰

شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ وغیرہ ائمہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک بھی یہ ناجائز ہے، البتہ ان کے نزدیک بعض صورتوں میں اس کا جواز نکل سکتا ہے، مثلاً جبکہ کرایہ پر دینے والے کو یہ علم نہ ہو کہ یہ سودی کاروبار کے لئے مکان کرایہ پر لے رہا ہے وغیرہ، جس کی تفصیل گذر چکی۔ اور یہ بھی واضح ہو چکا کہ جواز کی کوئی صورت زیرِ بحث صورت میں موجود نہیں، اس لئے باتفاقِ ائمہ یہ معاملہ ناجائز ہے، پھر یہ مسئلہ مسجد کی املاک اور ذاتی املاک دونوں کے لئے ایک ہی ہے کہ ناجائز ہے، البتہ مسجد کی ملکیت کو اس طرح غلط کام کے لئے دینا مزید گناہ کا باعث ہے۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بینک کو سودی کاروبار کے لئے کرایہ پر مکان دیدیا، تو اس سے حاصل ہونے والا کرایہ جائز و حلال ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ اس کرایہ کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں، امام اعظمؒ کے مسلک میں تفصیل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوپر کی تفصیل کے مطابق جن صورتوں میں کرایہ پر مکان ایسے کاموں کے لئے دینا جائز ہے، ان صورتوں میں آپ کے نزدیک اس سے حاصل ہونے والا کرایہ حلال ہے اور جن صورتوں میں اوپر کی تفصیل کے مطابق یہ معاملہ ناجائز ہے، ان صورتوں میں اس سے حاصل ہونے والا کرایہ بھی حلال نہیں۔ چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"وفی الجامع الصغیر انه یطیب له الاجر فی قول ابی حنیفةؒ وعندهما یکره، لهما ان هذه اجارة علی المعصیة لان حمل الخمر معصیة لکونه اعانة علی المعصیة ، وقد قال الله تعالی: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ولهذا لعن الله عشرة ، منهم حاملها والمحمول الیه ولابی

حنیفةؒ : ان نفس الحمل لیس بمعصیة .... والحدیث محمو ل علی الحمل بنیة الشرب ، وبه نقول ان ذلك معصیة یکره اکل اجرته.(۱)

(اس کے لئے (جوشراب اجرت پراٹھا کر لیجائے)اجرت حلال ہے،ابوحنیفہؒ کے قول میں اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے ؛ کیونکہ یہ حرام کام کی مزدوری ہے؛ کیونکہ شراب اٹھا کر لیجانا گناہ ہے،اس کے اعانت علی الحرام ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالی نے فرمایا کہ گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو،اور (حدیث کے مطابق)اللہ تعالے نے دس آدمیوں پرلعنت فرمائی ہے،ان میں سے ایک شراب اٹھا کر لیجانے والا اور ایک وہ شخص ہے جس کے لئے یہ لی جائی گئی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فی نفسہٖ شراب اٹھا کرلے جانا تو گناہ نہیں ؛ کیونکہ یہ پھینکنے کے لئے بھی ہوسکتا ہے...........اور حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ پینے کے لئے اٹھا کر لیجانے کی نیت ہو،اور اس صورت میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ معصیت ہے اور اس کی اجرت لینا مکروہ ہے)

اس میں امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ تفصیل بتائی ہے کہ اعانت علی الحرام کی نیت نہ ہوتو اسکی اجرت حلال ہے،اور اگر اعانت علی الحرام کی نیت ہوتو یہ معصیت ہے اور اس کی اجرت لینا بھی ناجائز ومکروہ ہے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ نیت بھی ان چیزوں میں سے ایک ہے،جس سے یہ معاملہ ناجائز ہوجاتا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری وہ چیزیں جن سے معاملہ ناجائز ہوجاتا ہے جیسا کہ اوپر گذرا،ان کے پائے جانے سے بھی اس معاملہ کی اجرت ناجائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن صورتوں میں معاملہ جائز ہے،ان میں اجرت بھی جائز ہے اور جن میں معاملہ ناجائز ہے،ان میں اجرت بھی ناجائز ہے،اور زیر بحث سوال میں چونکہ معاملہ ناجائز ہے،اس لئے امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اسکی اجرت ناجائز ہے۔

(۱) بدائع الصنائع:۴/۱۹۰

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ جوامام اس آمدنی سے تنخواہ پاتا ہےاوراسکواس کا علم بھی ہے،اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، کیونکہ علم ہوتے ہوئے اس ناجائز آمدنی سے اپنی اجرت وتنخواہ لیناجائزنہیں،حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''زید کا قرض بذمہ عمرو واجب ہے اور وہ اس کوحرام آمدنی سے ادا کرنا چاہتاہےاورزیدکومعلوم ہے،تواس کے لئے حلال نہ ہوگا........... یاایسےشخص کا کوئی کام کرکےایسی آمدنی سےاجرت لینا،ان سب کا یہی حکم ہے۔(۱)

اس سےمعلوم ہوا کہ ناجائز آمدنی سے جائز کام کی تنخواہ لینا بھی ناجائز ہے، لہٰذاامام کواحتیاط کرنا چاہئے ،اور جوعلم ہونے کے باوجوداحتیاط نہ کرے،اس کے پیچھےنمازتو ہوجاتی ہے،مگرمکروہ ہوتی ہے۔

مگراتنی بات ضرورذہن میں رہے کہ جب تک یہ تحقیق نہ ہوکہ فلاں امام کواس ناجائزآمدنی سےتنخواہ دیجاتی ہےاور یہ کہ امام کواس کاعلم بھی ہے،اس وقت تک کسی امام کی بلکہ کسی شخص کی طرف بھی یہ بات منسوب کرنا درست وجائزنہیں کہ وہ ناجائزآمدنی کھاتا ہے، پھراس سلسلہ میں زیادہ ذمہ داری ان کی ہے جوامام کوتنخواہ دینے والے ہیں ، انکو چاہئے کہ خوداپنی نمازوں اور دوسرے لوگوں کی نمازوں کو کراہت سے بچانے کے لئے امام کوجائزآمدنی سےتنخواہ دیں؛ کیونکہ امام کواکثر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی تنخواہ کس مدمیں سے دی جارہی ہے۔

بہرحال پہلی ذمہ داری ان متولیان وذمہ داران مساجد کی ہے کہ وہ ہرمعاملہ میں علماء سے پوچھ کراور تحقیق کرکے معاملہ کریں،اور مساجدکوغلط وبےہودہ کاموں سے پاک رکھیں۔

فقط

حررہ العبدمحمدشعیب اللہ خان

---

(۱)صفائی معاملات:۴۵